بحث و نظر

ایک تفسیری و تاریخی اشکال اور اُس کا حل

جناب حکیم شریف احسن صاحب

ترجمان القرآن (جولائی ۱۹۹۰ء) کے بحرہ رسائل و مسائل[1] میں محترم ملک غلام علی صاحب کے قلم سے ایک مضمون بعنوان "تفہیم القرآن پر ایک اعتراض کا جواب" شائع ہوا ہے۔ اس میں تفہیم پر کسی معترض کا یہ اعتراض نقل کیا گیا ہے کہ تفہیم میں لکھا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کے لیے حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا تو حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی حضرت عبداللہؓ بن جحش سمیت ان کے خاندان والوں نے اسے نامنظور کر دیا۔ اس پر جب سورۂ احزاب کی آیت ۳۶ اُتری تو اُسے سُنتے ہی سب نے بلا تامل سر تسلیم خم کر دیا۔ معترض کا کہنا ہے کہ حضرت عبداللہؓ تو غزوۂ اُحد میں شہادت پا چکے تھے۔ اور یہ نکاح بعد اُحد بروایت مشہور ۵ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ اس موقع پر حضرت عبداللہ کہاں سے آ گئے۔

نفس اعتراض میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ عصمت خاصۂ انبیاء ہے۔ کسی بڑے سے بڑے صاحبِ علم کے بارے میں بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی تمام علمی کاوشیں سہو و خطا

[1] یہ تحریر ترجمان کو اگست ۹۰ء میں بھیجی گئی تھی۔ لیکن محترم نعیم صدیقی صاحب کے ایک حالیہ عنایت نامے سے معلوم ہوا کہ انہیں نہیں ملی۔ لہٰذا اس کے شائع ہونے میں اتنا طویل وقفہ حائل ہو گیا۔

سے یکسر مبرّا ہیں۔ حیرت اس امر پہ ہے کہ جناب معترض نے بزعم خویش اس سہو یا خطا کو مولانا مودودی کی علمی کم مائیگی کا ثبوت قرار دے دیا ہے۔ اگر جلیل القدر اہلِ علم کی تحریروں میں سہو یا خطا کی موجودگی کو علمی کم مائیگی کی دلیل ٹھیرا لیا جائے تو پھر حضرت معترض کے ممدوحین سمیت شاید ہی کوئی بلند پایہ مفسر، محدث اور مصنف اس الزام سے بچ سکے۔ خود زیرِ بحث واقعہ میں تفہیم میں جو بات لکھی ہے بہت سے اور عظیم علمائے تفسیر نے قریب قریب اسی کو اپنی تفاسیر میں تحریر کیا ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو ماوردیؒ (م ۴۵۰ھ) کی النکت العیون، بغویؒ (م ۵۱۶ھ) کی معالم التنزیل، زمخشریؒ (م ۵۳۸ھ) کی کشاف، قرطبیؒ (م ۶۷۱ھ) کی الجامع لاحکام القرآن، بیضاویؒ (م ۶۸۵ھ) کی انوار التنزیل، شاہ ولی اللہؒ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) کا فارسی ترجمہ قرآن مع حواشی، قاضی ثناء اللہؒ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) کی تفسیر مظہری، علامہ آلوسی (م ۱۲۷۰ھ) کی رُوح المعانی تفسیر سورہ احزاب آیت ۳۶[1]۔ کیا جناب معترض کے پاس علمی کم مائیگی کے اتنے تمغے ہیں کہ وہ ان سب بلند پایہ مفسرین کو ان سے سرفراز فرما سکیں۔

ملک صاحب نے سہوِ راوی کے امکان کو رد نہ کرتے ہوئے حسبِ معمول اپنے

---

[1] مولانا ثناء اللہؒ امرتسری کے نزدیک یہ شانِ نزول صحیح نہیں۔ انہیں یہ راوی کا فہم معلوم ہوتا ہے۔ (تفسیر ثنائی ص ۵۵، ۵۶ طبع ثانی ۱۹۷۱ء لاہور) اپنے اس دعوے کی تائید میں انہوں نے شاہ ولی اللہؒ کا قائم کردہ ایک اصول پیش کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ "بعض اوقات راوی اپنے فہم سے کسی آیت کو ایک واقعہ کے ساتھ چسپاں سمجھتا ہے۔ تو وہ حکم لگا دیتا ہے کہ اسی واقعہ کے متعلق اُتری ہے۔" معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے پیشِ نظر شاہ صاحبؒ کا ترجمہ قرآن نہیں تھا۔ ورنہ یہ دلچسپ حقیقت ان کے سامنے آجاتی کہ شاہ صاحب نے اس اصول کو یہاں منطبق نہیں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: مترجم گوید دریں آیت تعریض است بآن قصہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نخست زینبؓ برائے زیدؓ خطبہ فرمود و آنرا زینبؓ و برادرش مکروہ داشتند، و ایں فعل مناسب حال ایشاں نبود"۔

معروف علمی اور متین لہجے میں اس اعتراض کا جو جواب دیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تفہیم میں یہ نہیں لکھا ہے کہ عملاً نکاح کے وقت حضرت عبداللہؓ بن جحش موجود تھے۔ اس بات کا پورا امکان ہے کہ احزاب کی آیت ۳۶ کا نزول ۳ھ میں غزوہ احد سے پہلے ہوا ہو۔ اور حضرت زینب اور ان کے خاندان کی طرف سے فوراً اس پر رضامندی کا اظہار کر دیا گیا ہو۔ جب کہ عملاً نکاح بھائی کی شہادت یا کسی اور وجہ سے اُحد کے بعد ہوا ہو۔ ملک صاحب کا یہ خیال قرینِ قیاس ہے۔ رشتہ طے ہونے اور عقد نکاح میں بعض اوقات کچھ عرصہ لگ جاتا ہے۔ خصوصاً جب فریقین میں کوئی خاندان کسی حادثہ سے دوچار ہو جائے۔ یہاں کیفیت یہ تھی کہ حضرت زینبؓ کے بھائی حضرت عبداللہ، ماموں حضرت حمزہؓ اور بہنوئی حضرت حمنہؓ کے شوہر۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر احد میں شہید ہو چکے تھے۔ لہٰذا اگر اس سوگوار خاندان کی ایک بیٹی کا نکاح سال بھر کے لیے مؤخر کر دیا گیا ہو تو عقلاً اسے تسلیم کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں۔

جناب معترض کے اعتراض اور اس کے انداز سے قطع نظر اس میں شبہ نہیں کہ اس واقعہ میں ایک تاریخی اشکال موجود ہے۔ اس کا ایک حل تو وہ ہے جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔ لیکن راقم کا خیال ہے کہ واقعہ کے دو پہلوؤں کے مزید تحقیقی مطالعہ سے اس کے حل میں کچھ اور مدد مل سکتی ہے۔ یعنی (۱) سالِ نکاح کے تعین سے اور (۲) ان بھائیؓ کے تعین سے جو حضرت زینبؓ کے ولی نکاح تھے۔

سال نکاح مشہور روایت کے مطابق حضرت زیدؓ سے حضرت زینبؓ کے نکاح کے تقریباً

---

۱ عبداللہؓ اور عبیدؓ دونوں کا حضرت زینبؓ کے ساتھ ایک جیسا رشتہ تھا، دونوں ان کے سگے بھائی تھے۔

۲ دونوں کے ناموں — عبداللہؓ اور عبیدؓ — میں زیادہ فرق نہیں۔ سننے، بولنے اور لکھتے وقت ان میں بآسانی اشتباہ اور التباس ہو سکتا ہے۔ بعض کہتے ہیں عبید کا نام بھی عبداللہ تھا۔ لیکن ابن عبدالبر اور ابن حجر دونوں نے اسے وہم قرار دیا ہے۔

ایک سال بعد سنہ ۵ھ میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں۔ لیکن یہ روایت متفق علیہ نہیں ہے۔ ملک صاحب نے ابن کثیرؒ کے حوالہ سے ضمناً اس طرف اشارہ کیا ہے۔ بعض روایات کی رُو سے یہ واقعہ سنہ ۳ھ کا ہے۔ خلیفہ بن خیاط (م ۲۴۰ھ) ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ (م ۲۰۸ھ) اور ابن مندہ (م ۲۹۸ھ) اسی کے قائل ہیں[1] بلاذری نے انساب الاشراف میں سنہ ۳ھ کا ذکر کیا ہے، لیکن اسے مستند نہیں مانا۔ ابن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) نے مختلف حوالوں سے ۵ اور ۳ دونوں سالوں کا ذکر کر دیا ہے[2] ابن سید الناس کے الفاظ یہ ہیں:

زوجها الله اياها من السماء سنة اربع وقيل سنة ثلاث وقيل سنة خمس[3]

اللہ تعالیٰ نے حضورؐ سے ان کا نکاح سنہ ۴ھ میں کر دیا۔ ایک قول کے مطابق سنہ ۳ ہجری اور ایک اور قول کے مطابق سنہ ۵ ہجری میں۔

سنین کی اس ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ایک معتبر سال سنہ ۴ ہجری ہے۔ اس کے بعد سنہ ۳ھ اور اس کے بعد سنہ ۵ھ۔ ابن کثیرؒ نے سنہ ۵ھ اور سنہ ۳ھ دونوں نقل کر دینے کے بعد کہا ہے والاول اشهر[4] یعنی پہلا زیادہ مشہور ہے۔ ابن حجرؒ

---

[1] ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۳/۲۷۳ دار احیاء التراث العربی، بیروت، تاریخ طباعت ندارد۔

[2] ابن عبدالبر، الاستیعاب علی ہامش الاصابہ ۴/۳۱۴ دار صادر، بیروت ت۔ن۔

[3] ابن سید الناس، عیون الاثر: ۲/۳۰۴ دار المعرفہ، بیروت ت۔ن

[4] دیکھیے حوالہ [1]، [2]

لکھتے ہیں:

تزوجها النبی صلی اللہ علیہ سنة ثلاث وقیل سنة خمس[1]

"حضورؐ نے ان سے ۳ھ میں نکاح کیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۵ھ میں"۔

ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک ترجیح ۳ھ کو ہے۔

سیر و رجال کے ائمہ کے یہ اقوال بہر حال ایسے نہیں ہیں کہ انہیں سرسری طور سے رد کر دیا جائے۔ اور اگر ۳ھ، ۴ھ، ۵ھ سے کوئی قول ارجح قرار پاتا ہے تو اشکال خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں حضرت زیدؓ سے حضرت زینبؓ کا نکاح کا سال ۲ھ یا ۳ھ قرار پائے گا۔ اس لیے کہ یہ واقعہ حضورؐ سے حضرت زینبؓ کے نکاح سے کم و بیش ایک سال پہلے کا ہے۔ جب کہ حضرت عبداللہ بن جحش ابھی زندہ تھے۔

ولی نکاح | حضرت زینب کے تین بھائی تھے۔ حضرت عبداللہؓ، حضرت ابو احمدؓ اور عبید اللہ۔ یہ سب بھائی مکہ ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ لیکن مؤخر الذکر ہجرت کر کے حبشہ گیا اور وہاں جا کر نصرانی ہو گیا اور اسی حالت میں وہیں انتقال کر گیا۔ لہٰذا وہ خارج از بحث ہے۔ عام روایات میں حضرت عبداللہ کا نام بطور ولی نکاح آتا ہے اور اسی سے زیر بحث اشکال پیدا ہوتا ہے۔ اگر مشہور قول ہی کو معتبر قرار دے کر حضرت زیدؓ سے حضرت زینبؓ کا سال نکاح ۴ھ قرار دیا جائے اور پھر نکاح پر رضامندی اور عملاً اس کا انعقاد بلا فصل مانا جائے تو راقم کے نزدیک اس معاملہ میں نارضامندی، پھر رضامندی اور نکاح کے موقع پر موجود حضرت عبداللہؓ بن جحش نہیں حضرت عبد بن جحش تھے۔ یہ قیاس آرائی نہیں، قدیم ترین سیرت نگار ابن ہشامؒ نے حضورؐ سے حضرت زینبؓ کے سلسلے میں انہی کا نام لیا ہے۔ اور لکھا ہے:

تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زینبؓ بنت جحش

---

[1] ابن حجر، اصابہ: ۴/۳۱۳، دار صادر بیروت۔ ت۔ ن

بن رياب الاسدى زوجه اياها اخوها ابو احمد عبد
بن جحش۔[1]

"حضورؐ نے حضرت زینب بنت جحش بن ریاب الاسدی سے نکاح کیا یہ نکاح اُن کے بھائی ابو احمد بن جحش نے کرایا۔"

یہ روایت اپنے الفاظ میں بالکل واضح ہے۔ اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ ابتدائے مشہور[2] ۳ھ میں جب حضرت زیدؓ سے حضرت زینبؓ کا نکاح ہوا تو یہی ان کے ولی تھے اور اس سلسلہ میں پہلے انکار پھر اقرار بھی انہی کی طرف سے تھا۔ درایت کے نقطۂ نظر سے دیکھیے تو بھی اس میں کوئی استبعاد نظر نہیں آئے گا۔ میرے نزدیک اس کے وجوہ یہ ہیں:

خاندان اور معاشرے میں دونوں کے مقام و مرتبہ میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ابو احمد عبد بن جحش نابینا تھے۔ وہ صرف شعر کہہ سکتے تھے اور کہتے تھے۔ لیکن خاندان یا اسلام کی کوئی بڑی خدمت سرانجام دینا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ لہٰذا خاندانِ جحش کے سربراہ عبداللہ بن جحش ہی تھے۔ اپنی مختصر سی اسلامی زندگی میں انہوں نے اسلام کی بڑی خدمات سرانجام دیں۔ ان کی حفاظت و قیادت میں خاندانِ جحش نے ہجرت کی۔ ان کی قیادت میں حضورؐ نے سریہ نخلہ روانہ کیا۔ مشرکین کا پہلا قتل اسی سریّہ نے کیا۔ پہلی مرتبہ ان کے آدمی بھی اسی کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ اور پہلی غنیمت بھی اسی سریہ کے لوگ مدینہ میں لائے۔ قتل رجب کی آخری تاریخ میں ہوا تھا۔ حضورؐ کے سامنے جب حضرت عبداللہؓ نے غنیمت پیش کی تو آپؐ نے لینے سے انکار کر دیا۔ اس پر ان کی براءت میں سورہ بقرہ کی آیت ۲۱۷ اُتری اور حضورؐ نے غنیمت قبول فرمائی۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں شریک ہو کر داد شجاعت دی، غزوۂ احد میں بے جگری سے

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، قسم دوم ص ۶۴۳، طبع ثانی، بابی الحلبی، مصر ۱۹۵۵ء
[2] ابن ہشام ۱/۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵۔

لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ مشرکین نے ان کا مثلہ کیا اور المجدع فی اللہ (گوش بریدہ راہ خدا) کے لقب سے سرفراز ہوئے اور اپنے ماموں حضرت حمزہؓ کے ساتھ ایک ہی قبر میں ان کی تدفین ہوئی[1]

ان خدمات سے ظاہر ہے کہ خاندانِ جحش کی عظمت اور شہرت حضرت عبد اللہؓ کے ساتھ وابستہ تھی۔ اس لیے یہ ہرگز بعید از قیاس نہیں کہ کسی راوی کی زبان یا قلم پر عبد بن جحش کے بجائے عبد اللہ بن جحش کا نام آگیا ہو۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خاندان کے غیر اہم افراد کے قابلِ ذکر کام بھی اس کے اہم افراد کے نام منسوب ہو جاتے ہیں۔

حضرت عبد بن جحش بلا شبہ نابینا تھے۔ لیکن حضرت عبد اللہ کی وفات کے بعد خاندانِ جحش میں ان کے سوا اور کوئی ایسا فرد نہ تھا جس کی طرف خاندانی امور میں رجوع کیا جا سکے۔ یہ محض مفروضہ نہیں اس کی تاریخی شہادت موجود ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر یہ ابو احمد عبدؓ ہی تھے جنہوں نے مکہ میں خاندانِ جحش کی حویلی کی بازیابی کے بارے میں حضورؐ سے گفتگو کی۔ اس حویلی پر ان کی ہجرت کے بعد ابو سفیان نے قبضہ کر لیا تھا[2]۔ لہٰذا نکاح اگر بعد اُحد کا واقعہ ہے تو اُن کے سوا کوئی دوسرا شخص ولی نکاح نہیں ہو سکتا۔

ان وجوہ کی بنا پر ابن ہشام کی روایت سے جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے اس کو درایت کی تائید بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ سالِ نکاح کے تعین میں بھی کسی لمبی چوڑی بحث کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اور مشہور ترین روایت ہی درست قرار پاتی ہے۔ راقم کی نظر میں زیرِ بحث اشکال کا یہی حل زیادہ قابلِ قبول اور قرینِ صحت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

[1] مصعب الزبیری، کتاب نسب قریش ص ۱۹، طبع ثانی، دار المعارف، مصر، نیز ابن سعد الطبقات الکبریٰ، ۱۳/۹۱ دار صادر بیروت۔ ت۔ ن

[2] ابن ہشام: ۶۴۴/۲

بعض حضرات کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ناموں میں یہ اشتباہ کیوں کر ممکن ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کوئی نادر بات نہیں ہے۔ حدیث سیر اور تاریخ میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ ایک مثال ملاحظہ ہو۔

امام مالکؒ محدثین کے امام الائمہ ہیں۔ ان کی کتاب مؤطا کے بارے میں امام شافعیؒ کہتے ہیں: ما بعد کتاب اللہ اصح من موطا مالک[۱]۔ یعنی کتاب اللہ کے بعد موطا مالک سے صحیح تر کوئی کتاب نہیں۔ اسی مؤطا میں ہے کہ حضرت زینب بنت جحش حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کی زوجیت میں تھیں[۲]۔ ابن عبد البر جو خود مالکی ہیں ۔ کہتے ہیں یہ وہم ہے اور غلط ہے۔ اور غلطی سے کوئی محفوظ نہیں۔ والغلط لا یسلم منہ احد[۳]۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا بھی یہی کہنا ہے وہ قاضی عیاض ۔ یہ بھی مالکی ہیں ۔ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت زینبؓ کا ذکر وہم ہے۔ حضرت زینبؓ کبھی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے نکاح میں نہ تھیں۔ ان کے نکاح میں حضرت زینبؓ کی بہن حضرت ام حبیبہؓ بنت جحش تھیں[۴]۔

جیسا کہ ابن عبد البر نے کہا ہے غلطی سے کوئی محفوظ نہیں۔ لیکن ظاہر ہے اس طرح کے سہو یا غلطی سے امام مالک اور ان کی کتاب کی جلالتِ شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اور نہ کوئی صحیح الحواس انسان اسے ان کی علمی کم مائیگی کا ثبوت قرار دینے کی جسارت کر سکتا ہے۔

---

۱ سیوطی، تدریب الراوی، ۹۱/۱، اسلامیہ، لاہور ت۔ن۔

۲ امام مالکؒ، موطا، کتاب الصلوٰۃ، باب المستحاضۃ تصلی وتصوم۔

۳ الاستیعاب: ۴۴۲/۱۴، ۳۳۴۴۔

۴ شاہ ولی اللہ دہلوی، مسوّی ومصفّی: ۶۸/۱، رحیمیہ دہلی، ۱۳۴۷ھ